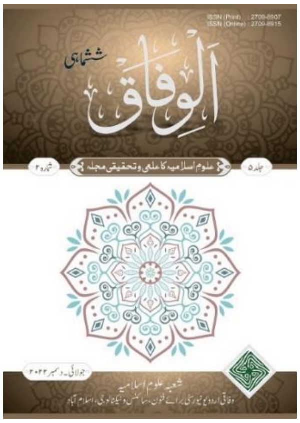

Al-Wifaq Research Journal of Islamic Studies
Volume 5, Issue 2 (July - December 2022)
eISSN: 2709-8915, pISSN: 2709-8907
Journal DOI: https://doi.org/10.55603/alwifaq
Issue Doi: https://doi.org/10.55603/alwifaq.v5i2
Home Page: https://alwifaqjournal.com/
Journal QR Code:

Article

مختلف الحدیث اور اس کے حل میں ملا علی قاریؒ کا منہج: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Style of Mullā Ali Qāri in the Solution of the Contradictory Hadith: A Research Analysis

Indexing

Authors
Misbah ul Hassan [1]
Abdul Basit Khan [2]

Affiliations
[1] Education Department, Lahore.
[2] Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

Published
31 December 2022

Article DOI
https://doi.org/10.55603/alwifaq.v5i2.u1

QR Code

Citation
Abdul Basit Khan, “مختلف الحدیث اور اس کے حل میں ملا علی قاریؒ کا منہج: ایک تجزیاتی مطالعہ The Style of Mullā Ali Qāri in the Solution of the Contradictory Hadith: A Research Analysis,” Al-Wifaq 5, no. 2 (2022): 1–19, https://doi.org/10.55603/alwifaq.v5i2.u1.

Copyright Information:
The Methodology of Imām Ibn Abī Shaibah in Tarājim-ul-Ābwāb of “Al-Muṣannaf” © 2022 by Abdul Basit Khan is licensed under CC BY 4.0

Publisher Information:
Department of Islamic Studies, Federal Urdu University of Arts Science & Technology, Islamabad, Pakistan.

مختلف الحدیث اور اس کے حل میں ملا علی قاریؒ کا منہج: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Style of Mullā Ali Qāri in the Solution of the Contradictory Hadith: A Research Analysis

ڈاکٹر مصباح الحسن

ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، لاہور

ڈاکٹر حافظ عبد الباسط خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زید اسلامک سنٹر، یونیورسٹی آف پنجاب، لاہور

ABSTRACT:

The Contradictory Hadith is a branch of Hadith Sciences that deals with the methods to solve the contradictions between two or more narrations of the Holy Prophet (PBUH). Mulla Ali Qari is the author of a detailed commentary on the famous Hadith compilation Mishkāt al-Masābīh named Mirqāt al-Mafātīh. In this commentary, Mulla Ali Qari has focused on such narrations and provided all possible solutions to such narrations. This article is designed to explore his method in this regard. The author, at first، has brought the principles set by the adapts of hadithic scientists (Muhadithīn), and then the examples from the said commentary have been brought under discussion. This research concludes that Mulla Ali Qari has not only provided all the interpretations described by his predecessor scholars but has also introduced many new interpretations himself.

KEYWORDS:

Mullā Ali Qāri, Mirqāt al-Mafātiīh, Contradictory Hadith, Hadith Sciences

حدیث پاک دین اسلام کے بنیادی ماخذ میں سے دوسرا بڑا ماخذ اور قرآن مجید کی شرح اور اس کی تفصیل و توضیح ہے۔ عہد رسالت مآب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ہی اس کی حفاظت اور کتابت کی طرف توجہ دی جانے لگی۔ صحابہ کرام نے حفظ، کتابت اور تعامل کے ذریعے اس کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد ائمہ حدیث نے حدیث مبارکہ کے اصول و مصطلحات پر کام کیا اور اس کے مختلف پہلوؤں پر کام کیا۔ اصول و مصطلحات حدیث کے اہم علوم اور مباحث میں سے ایک اہم بحث مختلف الحدیث کی بھی ہے جس پر مختلف ائمہ حدیث نے کام کیا اور احادیث کے مابین اختلافات کو ختم کیا کیونکہ دشمنان اسلام اور مستشرقین خاص طور پر ایسی احادیث مبارکہ جن میں بظاہر تعارض یا تضاد نظر آتا ہے ان پر اعتراضات کرتے ہیں اس طرح ان کو احادیث مبارکہ کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لیے اس علم کا جاننا بہت ضروری ہے تاکہ دشمنان

اسلام اور مستشرقین کے اعتراضات کا مدلل اور معقول جواب دیا جاسکے۔

جن ائمہ و محدثین نے مختلف الحدیث پر کام کیا اور ان احادیث مبارکہ کے مابین تعارض اور اختلاف کو ختم کیا ان میں ایک نمایاں نام علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاریؒ (م۔۱۰۱۴ھ) کا بھی ہے جنہوں نے دیگر تصانیف کے ساتھ مرقاۃ المفاتیح کے نام سے گیارہ جلدوں میں مشکوۃ المصابیح کی ایک مبسوط شرح لکھی۔ جس طرح مشکوۃ المصابیح کو حدیث کے دیگر انتخابات کے مقابلے میں قبولیت عامہ حاصل ہوئی اسی طرح مشکوۃ کی شروح میں مرقاۃ المفاتیح کو شہرت و قبولیت عام حاصل ہوئی۔ ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ المفاتیح میں مختلف مقامات پر احادیث مبارکہ کے درمیان ظاہری اختلافات کو حل کیا ہے۔ اس پہلو کو تفصیلاً بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ مختلف الحدیث کے لغوی و اصطلاحی معنی پر روشنی ڈالی جائے۔

لغوی و اصطلاحی معنی:

لغوی اعتبار سے مختلف اختلاف سے اسم فاعل ہے جو کہ اتفاق کی ضد ہے۔ ابن منظور مصری لسان العرب میں اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں۔

ویقال تخالف الأمران واختلفا إذا لم یتفقا، وكل ما لم یتساو فقد تخالف واختلف.[1]

علماء محدثین کا لفظ مختلف کے حوالے سے اختلاف ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ میم کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ اختلف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اصطلاحی طور پر اسکی درج ذیل تعریف کی گئی ہے۔

وهو علم یبحث عن الأحادیث التي ظاهرها التناقض من حیث إمكان الجمع بینها، إما بتقیید مطلقها، أو بتخصیص عَامِّهَا، أو حملها على تعدد الحادثة أو غیر ذلك. ویطلق علیه علم تلفیق الحدیث.[2]

"یہ ایسا علم ہے جو ایسی احادیث کے بارے میں بحث کرتا ہے جن کے ظاہر میں تناقض ہوتا ہے ان میں جمع کے امکان کے ساتھ۔ مطلق کو مقید کرتے ہوئے یا عام کو خاص کرتے ہوئے یا اس کو مختلف واقعات پر محمول کرتے ہوئے وغیرہ، اس پر تلفیق الحدیث کے علم کا اطلاق ہوتا ہے۔"

اسکی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

أن یوجد حدیثان أو أكثر متضادان في المعنى ظاهرا فیوفق بینهما أو یعتبر أحدهما ناسخا للآخر أو یرجح أحدهما على الآخر.[3]

"دو یا اکثر ایسی احادیث مبارکہ جن میں بظاہر تضاد ہو پس ان دونوں میں تطبیق پیدا کی جائے یا ان

۱۔ محمد بن محمد بن سویلم أبو شُهبة، الوسیط في علوم و مصطلح الحدیث (لبنان: دار الفكر العربي، س ن.)، ۴۴۱.

۲۔ صبحي إبراهیم الصالح، علوم الحدیث و مصطلحه - عرضٌ ودراسة (بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۸۴)، ۱/ ۱۱۱

۳۔ أبو شُهبة، الوسیط في علوم و مصطلح الحدیث، ۴۴۱.

میں سے ایک کو دوسری کے لیے ناسخ سمجھا جائے یا ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے۔"

جیسا کہ تعریف سے ظاہر ہے کہ دو صحیح حدیثیں متضاد یا متناقض نہیں ہو سکتیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں تعارض ہو کیونکہ آپ ﷺ نبی ہیں جن پر وحی کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے امام الائمہ ابی بکر ابن خزیمہ کا قول ہے:

لَا أَعْرِفُ حَدِيثَيْنِ صَحِيحَيْنِ مُتَضَادَّيْنِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ فَلْيَأْتِنِي بِهِ لِأُؤَلِّفَ بَيْنَهُمَا.[۴]

"میں دو صحیح متضاد احادیث کو نہیں جانتا۔ جس کے پاس اس حوالے سے کوئی چیز ہو تو وہ اس کے ساتھ میرے پاس آئے تا کہ میں ان کو میں ملاؤں۔"

مختلف الحدیث کی اقسام

مختلف الحدیث کی درج ذیل دو اقسام ہیں۔

ا۔ پہلی قسم

جس میں دونوں احادیث مبارکہ میں جمع ممکن ہو اور وہ تعارض یا نسخ کی طرف نہ جائیں۔ اس کی مثال درج ذیل احادیث مبارکہ ہیں:

لَا يُورِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلَى مُصِحٍّ.[۵]

"(کوئی شخص) بیمار (اونٹوں) کو تندرست (اونٹوں) کے پاس نہ لے جائے۔"

فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ.[۶]

"کوڑھی سے ایسے بھاگا کرو جیسے شیر کو دیکھ کر بھاگتے ہو۔"

لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ.[۷]

"مرض کا ایک سے دوسرے کو لگنا، شگون لینا، ہامہ (یعنی الو) اور صفر کوئی چیز نہیں ہے۔"

درج بالا تینوں احادیث صحیح ہیں، ان میں سے بعض بیماری کے متعدی ہونے کو ثابت کرتی ہیں اور بعض نفی کرتی ہیں۔ شارحین حدیث ان احادیث مبارکہ میں درج ذیل طریقے سے توفیق کرتے ہیں۔

۴۔ شمس الدین أبو الخیر محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي، فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث للعراقي، (مصر: مکتبة السنة، ۲۰۰۳م)، ۴/۶۶.

۵۔ أبو عبد اللہ محمد بن إسماعیل البخاري، صحیح البخاري، (بیروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲)، ۷/۱۳۸.

۶۔ أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل الشیباني، مسند أحمد (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱)، ۱۵/۴۴۹.

۷۔ البخاري، صحیح البخاري، ۷/۱۳۵.

أ. یہ حدیث مبارکہ ان جاہلوں کا رد ہے جن کا اعتقاد ہے کہ یہ امراض خود موثر ہوتے ہیں۔ پس ان کے لیے آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ یہ امراض خود متعدی نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ مریض کے صحیح آدمی کے ساتھ اختلاط کو اس کی بیماری کا سبب بنا دیتے ہیں۔ یہ چیز جدید طب کی اس تحقیق کے منافی نہیں ہے جس میں امراض کے متعدی ہونے کا ثبوت موجود ہے بلکہ اس میں عقیدے کی اصلاح ہے کہ تعدی کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ نہ کریں تو مریض کے ساتھ جس کو متعدی بیماری ہو اختلاط کے باوجود اثر نہیں ہوتا۔

ب. عدویٰ کی نفی اپنے عموم پر باقی ہے اور اس سے فرار کا حکم سد الزرائع میں سے ہے۔

دوسری قسم:

جس میں دو مختلف حدیثوں میں جمع کا امکان نہ ہو۔ اس کی مزید دو اقسام ہیں۔

أ. متقدم کی متاخر سے پہچان ہو: اس صورت میں متاخر متقدم کی ناسخ ہو گی۔

ب. متقدم متاخر سے نہ جانی جا سکے: تو اس صورت میں ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ پس ہم راجح کو لیں گے اور مرجوح کو چھوڑ دیں گے۔ اور ترجیح راویوں کی صفات کے حساب سے ہو گی کہ ایک راوی زیادہ حافظے والا ہو دوسروں سے۔

وجوہ ترجیح

علماء حدیث نے اسکی متعدد وجوہ ذکر کی ہیں حتیٰ کہ بعض نے پچاس اور بعض نے سو سے بھی زیادہ وجوہ کا ذکر کیا ہے جن کو العراقی نے اپنی کتاب التقييد والإيضاح لما أطلق وأغلق من علوم ابن الصلاح میں ذکر کیا ہے۔ امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں وجوہ ترجیح کے حوالے سے عمدہ کلام کیا ہے۔ اور اس کی سات اقسام کو ذکر کیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

پہلی قسم: راوی کے حال کے اعتبار سے ترجیح:

اس کی مزید اقسام ہیں۔

١. راویوں کی کثرت: کیونکہ اکثر پر جھوٹ اور وہم کا احتمال کم ہوتا ہے اور تھوڑوں پر زیادہ۔

٢. قلۃ الوسائط: یعنی اسناد کی بلندی جبکہ رجال ثقہ ہو کیونکہ ان پر جھوٹ اور وہم کا احتمال کم ہوتا ہے۔

٣. فقہ الراوی: حدیث مبارکہ چاہے بالمعنی روایت کی گئی ہو یا بالفظ۔

٤. نحو کا علم: کیونکہ نحو کا جاننے والا غلطی نہیں کرے گا۔

٥. لغت کا علم: کیونکہ لغت کا جاننے والا خطاب اور اسالیب کے مواقع کو جانتا ہے۔

٦. حفظ: اس کے بخلاف جو لکھے پر اعتماد کرتا ہے۔

٧. ضبط: یعنی اس کا حدیث سے لگاؤ اور اہتمام

٨. شہرت: کیونکہ شہرت انسان کو جھوٹ سے روکتی ہے جس طرح تقویٰ روکتا ہے۔

۹. تقویٰ
۱۰. صحیح الاعتقاد: یعنی بدعتی نہ ہو
۱۱. اہل حدیث کا ہم نشین
۱۲. عالم یا علماء کا ہم مجلس
۱۳. مشہور النسب
۱۴. اس کے نام میں ایسا التباس نہ ہو کہ اس میں کوئی ضعیف راوی شریک ہو اور ان میں فرق کرنا مشکل ہو جائے۔
۱۵. اس کی عدالت پر اتفاق ہو۔
۱۶. جس سے روایت کر رہا ہو اس سے ملاقات ہو
۱۷. صحابی اپنے اکابر سے
۱۸. قضاء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حلال و حرام میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور فرائض میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

دوسری قسم: تحمل کے ساتھ ترجیح

اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

۱. وقت: پس ان میں سے اس کو ترجیح دی جائے گی جس نے بالغ ہونے کے بعد حدیث لی اس پر جس نے اس سے پہلے حدیث لی۔
۲. تحمل کی سب سے اعلی قسم سماع ہے۔ پس وہ حدثنا کے ذریعے حدیث لے۔

تیسری قسم: روایت کی کیفیت کے لحاظ سے ترجیح

ترجیح روایت کی کیفیت کے لحاظ سے اس کی بھی مزید اقسام ہیں۔

۱. روایت بالفظ بیان کرنے والے کو روایت بالمعنی پر ترجیح دینا
۲. اس کا راوی اس کا انکار نہ کرے اور نہ اس میں تردد کرے
۳. اس کے الفاظ متصل ہو جیسے حدثنا یا سمعت
۴. یا اس کے مرفوع ہونے پر متفق ہو۔
۵. اس کی اسناد میں اختلاف نہ ہو۔
۶. اس کے لفظ میں اضطراب نہ ہو۔

۷. یا عزیز ہو اور دوسری مشہور

چوتھی قسم: وقت ورود کے حوالے سے ترجیح

اس کی بھی درج ذیل اقسام ہیں۔

۱. مدنی کو مکی پر ترجیح دینا

۲. اسلام لانے کے بعد تحمل کو قبل از اسلام پر ترجیح

پانچویں قسم: خبر کے لفظ کے لحاظ سے ترجیح

اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱. خاص کی عام پر ترجیح

۲. حقیقت کو مجاز پر ترجیح

۳. منطوق کو مفہوم پر

۴. مفہوم موافق کو مفہوم مخالف پر

۵. نص کو غیر النص پر

۶. قول کو فعل پر

چھٹی قسم: حکم کے لحاظ سے ترجیح

اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱. حرمت پر دلالت کرنے والے کو اباحت اور وجوب پر دلالت کرنے والے پر ترجیح دینا

۲. احوط کو مقدم کرنا

۳. حد کی نفی پر دلالت کرنے کو ترجیح دینا

ساتویں قسم: امر خارجی کے اعتبار سے ترجیح:

۱. اس کو ترجیح دینا جو قرآن پاک کے ظاہر سے موافقت کرے

۲. یا دوسری سنت سے

۳. یا قبل شریعتوں سے

۴. یا قیاس سے

۵. یا امت کے عمل سے

۶. خلفاء راشدین کے عمل سے

۷. یا اس کی کوئی نظیر ہو جس کے حکم پر اتفاق ہو۔

۸. یا اس پر شیخان متفق ہو۔[۸]

اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو توقف:

امام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس پہلو پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں کہ اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو توقف کیا جائے گا چنانچہ آپ شرح نخبۃ الفکر میں درج ذیل الفاظ میں یوں لکھتے ہیں:

إمّا أَنْ يُمْكِنَ ترجيحُ أَحدِهما على الآخَرِ، بوجه مِن وجوه التَّرجيحِ المُتعلِّقَة بالمتْنِ، أَو بالإِسنادِ، أَوْ لاَ. فإِنْ أَمكن الترجيحُ تَعَيَّن المصيرُ إِليه، وإِلاَّ فلا. فصارَ ما ظاهِرُهُ التَّعارُضُ واقعاً على هذا التَّرتيب: ١- الجَمْعُ إِنْ أَمكَنَ. ٢- فاعْتبارُ النَّاسِخِ والمَنْسوخِ. ٣- فالتَّرْجيحُ إِنْ تَعَيَّن. ٤- ثمَّ التوقُّفُ عنِ العَمَلِ بأَحَدِ الحديثين. والتَّعبيرُ بالتوقُّفِ أَوْلى مِن التَّعبيرِ بالتّساقُطِ؛ لأَنَّ خفاءَ ترجيحِ أَحدهما على الآخَرِ إِنَّما هُو بالنسبة لِلمُعْتَبِرِ في الحالة الرَّاهنة، معَ احتمالِ أَنْ يَظْهر لغيرِه ما خَفِيَ عليه. واللهُ أَعلمُ.[۹]

"پس اگر ترجیح ممکن ہو تو مصیر الیہ متعین ہو جاتا ہے اور اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو مصیر الیہ کو متعین نہیں کیا جا سکتا بلکہ توقف کیا جائے گا۔ پس جس کے ظاہر میں تعارض ہو گا اس کی یوں ترتیب ہو گی۔ ۱۔ اگر ممکن ہو تو جمع کیا جائے گا ۲۔ ناسخ و منسوخ کا اعتبار کیا جائے گا ۳۔ اگر تعین ہو جائے تو ترجیح دی جائے گی۔ ۴۔ پھر دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک پر عمل کے لیے توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کا حکم ظاہر ہو جائے اور اس کا امر بیان کر دیا جائے۔ توقف کے ساتھ تعبیر اولی ہے تساقط کے ساتھ تعبیر سے اور یہ بات مشہور ہے کہ دو دلیلیں اگر متعارض ہو تو ساقط ہو جاتی ہیں یعنی ان کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔"

مشہور کتابیں:

علماء محدثین نے مختلف الحدیث کے موضوع پر بہت عمدہ کتابیں لکھی ہیں۔ اسی طرح اس علم کے بہت سے مسائل شارحین حدیث نے اپنی شروحات میں بھی ذکر کیے ہیں جیسا کہ امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح، الکرمانی نے شرح صحیح البخاری، امام احمد بن علی بن حجر نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری، علامہ عینیؒ نے شرح بخاری "عمدۃ القاری" اور ملا علی قاریؒ

۸۔ جلال الدین عبد الرحمن بن أبی بکر السیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی (الریاض، دار طیبۃ، ۱۴۲۷)، ۲/۶۵۹.

۹۔ العسقلانی، أبو الفضل أحمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر، نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر (الریاض: مطبعة سفیر، ۱۴۲۲)، ۹۷.

نے مرقاۃ المفاتیح میں۔ پس ائمہ کرامؒ نے اپنی شروحات میں بہت سی مباحث کی ہیں جو کہ ان احادیث مبارکہ سے متعلقہ ہیں جن کے ظاہر میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس علم پر الگ سے درج ذیل اہم اور مشہور کتب ہیں۔

۱۔ اختلاف الحدیث

یہ امام شافعیؒ کی تالیف ہے جو اس فن پر پہلی کتاب ہے جو کہ دراصل ان کی کتاب الام کا ایک حصہ ہے۔

۲۔ تاویل مختلف الحدیث

یہ امام، ادیب ابی محمد بن عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (م ۲۷۶ھ) کی تصنیف ہے۔ اس میں آپ نے صرف مختلف الحدیث پر ہی بحث نہیں کی بلکہ مشکل الحدیث پر بھی بحث کی ہے۔

مرقاۃ المفاتیح میں مختلف الحدیث کی مباحث کا جائزہ:

ملا علی قاریؒ مرقاۃ المفاتیح میں شرح کرتے ہوئے ان مقامات پر جہاں دو مختلف معارض احادیث ہوتی ہیں تو ان میں تعارض کو رفع کرتے ہیں۔ اس حوالے سے آپ اس کی شرح کے ساتھ ساتھ ان میں تطبیق پیدا کرتے ہیں یا ایک کو دوسری کے لیے ناسخ قرار دیتے ہیں یا ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک حدیث مبارکہ کی شرح کے دوران اس کی معارض دوسری حدیث مبارکہ کو بھی لاتے ہیں پھر اپنی رائے اور دیگر ائمہ حدیث نے اس حوالے سے جو کلام نقل کیا اس کو بھی درج کرتے ہیں۔ بعض مقامات پر ان ائمہ کا نام اور ان کی کتب کا بھی حوالہ دیتے ہیں تو کہیں بغیر حوالے کے کلام نقل کرتے ہیں۔ یوں ساری بحث سے قاری کے ذہن میں دونوں احادیث مبارکہ کا معنی و مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ اس کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا فیصلہ یا نماز کا سوال ہونا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بن مسعود قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ.»[۱۰]

"حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے۔"

درج بالا حدیث مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ امام نوویؒ کے حوالے سے اس حدیث مبارکہ سے ظاہراً مختلف ایک دوسری حدیث مبارکہ أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ صَلَاتُهُ." کو بھی لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان دونوں میں اختلاف نہیں ہے پھر دونوں میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دوسری حدیث مبارکہ کا تعلق حق اللہ سے ہے اور اس

۱۰۔ أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، صحيح مسلم (بيروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۹۵۵)، حدیث نمبر ۱۶۷۸، ۳/۱۳۰۴.

۱۱۔ أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي، السنن الكبرى-النسائي، تحقيق: شعيب الأرناؤوط (بيروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱)، ۱/۲۳۳.

کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے۔ اس کے بعد آپ خود تطبیق دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث مبارکہ کا تعلق منہیات سے ہے جبکہ دوسری کا تعلق مامورات سے ہے یا ایک کا تعلق حکم سے ہے اور دوسری کا تعلق محاسبہ سے ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں اشارہ ہے کہ حقیقتاً پہلی چیز نماز ہے کیونکہ محاسبہ حکم سے پہلے ہوتا ہے۔"[12]

۲۔ قضا کا طلب کرنا اور قضا کی عدم طلب:

عن ابی هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى يَنَالَهُ، ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهُ جَوْرَهُ، فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهُ عَدْلَهُ فَلَهُ النَّارُ.[13]

"حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا جس نے مسلمانوں کا قاضی بننے کی طلب کی یہاں تک کہ وہ بن گیا پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب آ گیا تو اس کے لیے جنت ہے اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب آ گیا تو اس کے لیے آگ ہے۔"

باب العمل في القضاء والخوف منه کی فصل دوم کی درج بالا حدیث مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے اس سے مختلف درج ذیل دوسری روایت بھی درج کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيهِ شُفَعَاءَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ، وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ.[14]

"حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا جو قضاء کے عہدے پر فائز ہونا چاہتا ہے اور اس کے لیے سفارشیں کراتا ہے اسے اس کے نفس پر چھوڑ دیا جاتا ہے یعنی غیبی مدد نہیں ہوتی اور جسے زبردستی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے اللہ اس کی مدد کے لیے ایک فرشتہ اتارتا ہے۔"

دونوں احادیث کے اندراج کے بعد آپ ان دونوں کو جمع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ کہا جائے کہ قضاء کو طلب کرنے والے دو طرح کے آدمی ہو۔ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہو جیسا کہ صحابہ کرام اور تابعین تھے پس جب وہ اس کے حق کے ساتھ قضاء کو طلب کریں گے تو وہ اپنے نفس کے حوالے نہیں کیے جائیں گے اور حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے اور یہی ہیں جن کا عدل ان کے جور پر غالب ہے اور جو آدمی ایسا نہیں ہے وہ اپنے نفس کے حوالے کیا جائے گا پس

۱۲۔ ابو الحسن نور الدين علي بن سلطان ملا علي قاري، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (بيروت: دار الفكر، ۲۰۰۲)، ۶/ ۲۲۵۹.

۱۳۔ أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني، سنن أبي داود، تحقيق: شعيب الأرنؤوط (بيروت: دار الرسالة العالمية، ۲۰۰۹)، ۵/ ۴۲۹.

۱۴۔ أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي، سنن الترمذي، تحقيق: بشار عواد معروف (بيروت: دار الغرب الإسلامي، ۱۹۹۶)، ۳/ ۷.

اس کا جور اس کے عدل پر غالب ہو گا۔[15]

3۔پہلی وحی سورۃ مدثر یا سورۃ علق کی آیات:

عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَوَّلِ مَا نَزَلَ مِنَ القُرْآنِ، قَالَ: {يَا أَيُّهَا المُدَّثِّرُ}[16] قُلْتُ: يَقُولُونَ: {اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ}[17] فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ: سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ ذَلِكَ، وَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ الَّذِي قُلْتَ: فَقَالَ جَابِرٌ: لاَ أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ، فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي هَبَطْتُ فَنُودِيتُ، فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ أَمَامِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ خَلْفِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ شَيْئًا، فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ: دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا، قَالَ: فَدَثَّرُونِي وَصَبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا، قَالَ: فَنَزَلَتْ: {يَا أَيُّهَا المُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ}[18،19]

"یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کی کون سی آیت نازل ہوئی؟ تو انہوں نے کہا (یَا أَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَأَنْذِرْ) نازل ہوئی میں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ (اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ) سب سے پہلے نازل ہوئی تو ابو سلمہ نے کہا میں نے جابر بن عبد اللہ سے اس کے متعلق پوچھا اور میں نے وہی کہا جو تم نے کہا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تم سے وہی بیان کرتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں حرا میں گوشہ نشین تھا جب میں نے گوشہ نشینی کی مدت کو پورا کر لیا تو میں وہاں سے اترا تو میں پکارا گیا ایک آواز سنی میں نے اپنی دائیں طرف دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے اپنے بائیں طرف دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھایا تو ایک چیز دیکھی پھر میں خدیجہ کے پاس آیا تو میں نے کہا مجھ کو کمبل اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہاؤ آپ نے بیان کیا کہ لوگوں نے مجھے کمبل اڑھائے اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہایا پھر آیت (یَا أَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَأَنْذِرْ) نازل ہوئی۔

۱۵۔ ملا علي قاري، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۷/ ۲۳۸.

۱۶۔ القرآن، سورۃ المدثر، ۷۴:۱

۱۷۔ القرآن، سورۃ العلق، ۹۶:۱

۱۸۔ القرآن، سورۃ المدثر، ۷۴:۲

۱۹۔ البخاري، صحیح البخاری،، ۶/ ۶۱.

باب المبعث وبدء الوحی کی تیسری فصل کی درج بالا حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی وحی سورۃ المدثر کی آیات تھیں حالانکہ اسی باب کی فصل اول میں حضرت عائشہ سے مروی تفصیلی حدیث مبارکہ میں واضح ہے کہ آپ ﷺ پر سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئی تھیں۔ لہذا ان دونوں میں تطبیق کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ یا ایھا المدثر کا نزول فترۃ الوحی کے بعد ہوا۔ اس کی اولیت انزار کے ساتھ خاص ہے یعنی یہ رسالت کے حوالے سے پہلی وحی ہے۔ مزید برآں بغیر نام لیے آپ بعض محققین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جس کا یہ قول ہے کہ سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیات نازل ہوئیں تو یہ ضعیف ہے اور سچ بات یہ ہے کہ علی الاطلاق سب سے پہلے سورہ علق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے اور سورہ مدثر فترۃ الوحی کے بعد نازل ہوئی جیسا کہ زہری کی حضرت جابر سے روایت میں صراحت ہے اور اس پر حضرت جابر کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ وھو یحدث عن فترۃ الوحی[20]

۴۔ واقعہ معراج کی ابتدا رسول اللہ ﷺ کے گھر، حطیم یا ام ہانی کے گھر سے ہوئی۔

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – قَالَ: (فُرِجَ عَنِّي سَقْفُ بَيْتِي، وَأَنَا بِمَكَّةَ- - - - -[21]

درج بالا حدیث مبارکہ، جو کہ باب فی المعراج کی فصل اول میں درج ہے، واقعہ معراج کو تفصیلی بیان کرتی ہے۔ لیکن اس میں واقعہ کی ابتدا کے حوالے سے ذکر ہے کہ نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ فرج عنی سقف بیتی گویا آپ ﷺ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے جبکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ حطیم یا حجر میں تھے یا ام ہانی کے گھر تشریف فرما تھے۔ گویا اس حوالے سے روایات میں اختلاف ہے لہذا ان اختلافی روایات کو جمع کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اپنے گھر فرمانے سے مراد ام ہانی کا گھر ہے۔ اپنی طرف گھر کی اضافت اس لیے فرمائی کہ آپ ﷺ اس وقت وہاں سکونت پذیر تھے اور کبھی ام ہانی کے گھر کی طرف نسبت فرمائی گئی کیونکہ وہ گھر کی مالکہ تھیں۔ اس کے بعد آپ مزید لکھتے ہیں کہ بعض محققین نے اس حوالے سے وارد تمام اقوال کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ ﷺ شعب ابی طالب کے پاس حضرت ام ہانی کے گھر سوئے تو وہاں ہی گھر کی چھت میں شگاف ہوا۔ آپ ﷺ کی طرف گھر کی نسبت اس لیے ہے کہ آپ ﷺ وہاں سکونت پذیر تھے۔ پس وہاں حضرت جبرائیل آئے اور آپ ﷺ کو گھر سے مسجد لے گئے۔ پھر آپ ﷺ کو حطیم سے مسجد کے دروازے پر لے آئے اور آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا۔[22]

۲۰۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ۱۱/ ۱۲۲

۲۱۔ البخاری، صحیح البخاری، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء، ۱/ ۷۸

۲۲۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ۱۱/ ۱۵۲

۵۔افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا، ایمان باللہ یا جہاد کرنا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ: «الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا» قَالَ: قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ قَالَ: «الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ» فَمَا تَرَكْتُ أَسْتَزِيدُهُ إِلَّا إِرْعَاءً عَلَيْهِ.[۲۳]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر ادا کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا، میں نے عرض کیا پھر اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مزید سوال نہیں کیا تاکہ آپ ﷺ کی طبیعت پر بار نہ ہو۔

درج بالا حدیث مبارکہ، جو کہ کتاب الصلاۃ کی فصل اول میں درج ہے، میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وقت پر نماز پڑھنے کو قرار دیا گیا ہے جبکہ حضرت ابوذر سے مروی حدیث مبارکہ میں ایمان باللہ اور جہاد کو عمل خیر کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں مجاہد کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اسی طرح دیگر اور روایات بھی ہیں۔ ان سب مختلف روایات میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ امام طیبیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ان احادیث میں توفیق یوں کی جائے گی کہ آپ ﷺ نے ہر ایک کی غرض یا اسکی رغبت کے اعتبار سے یا اس سوال پوچھنے والے کے حال کے مطابق جواب دیا۔ مزید کہتے ہیں کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ فلاں چیز اچھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ تمام چیزوں سے افضل ہے بلکہ اس سے مراد ہوتی ہے کہ وہ ایک حالت میں اچھی ہے اور ایک آدمی کے لیے دوسروں کے مقابلے میں اچھی ہے۔ جیسا کہ جس موقع پر خاموشی کی تعریف مطلوب ہو تو کہا جاتا ہے کہ خاموشی سے افضل کوئی چیز نہیں اور جب کلام کی تعریف مطلوب ہو تو کہا جاتا ہے کہ کلام سے بہتر کوئی چیز نہیں۔[۲۴]

۶۔ولی کے بغیر نکاح جائز یا ناجائز:

عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ[۲۵]

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔

باب الولي في النكاح واستئذان المراءة کی فصل ثانی کی درج بالا حدیث مبارکہ کے مفہوم و مراد کے حوالے سے فقہاء

۲۳۔ النیسابوري، صحیح مسلم، ۱/۸۹.

۲۴۔ ملا علي قاري، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۲/۱۱۳.

۲۵۔ الشیباني، مسند أحمد، ۳۲/۵۲۳.

کے درمیان اختلاف ہے۔ لہذا اس کی شرح میں ملا علی قاریؒ اپنی رائے ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد بالاجماع وہ نکاح ہے جو ولی کے عقد کے بغیر صحیح نہیں ہوتا جیسا کہ چھوٹی بچی اور مجنونہ کا نکاح۔ اس کے بعد شرح الترمذی کے حوالے سے امام سیوطیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ جمہور نے اس کو نفی صحت پر محمول کیا ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے نفی کمال پر۔ زین العرب نے کہا کہ امام مالکؒ کا قول ہے اگر عورت کم ذات ہو تو جائز ہے کہ وہ خود نکاح کرے یا وکیل بنائے جو اس کا نکاح کرے اور اگر شریف ہے تو اس کا ولی ہی نکاح کر سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ ابن الہمامؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ مذکورہ حدیث مبارکہ اور اس طرز کی دیگر احادیث مبارکہ نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث کی معارض ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا»[۲۶]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا بیوہ عورت اپنے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے اس کے بارے میں اجازت لی جائے گی اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔

درج بالا روایت میں الایّم کی وضاحت کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جس کا خاوند نہ ہو چاہے وہ کنواری ہو یا ثیبہ۔ لہذا ان دونوں معارض احادیث مبارکہ میں ملا علی قاری تعارض دور کرنے کے لیے ترجیح اور جمع کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے سب سے پہلے ترجیح کے حوالے سے دوسری حدیث مبارکہ کو سند کی قوت اور اس کی صحت میں عدم اختلاف کی بنا پر پہلی پر ترجیح دیتے ہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ حدیث مبارکہ لا نکاح الا بولی ضعیف ہے اور اسکی سند، وصل، انقطاع اور ارسال میں اضطراب ہے۔ اسی کے ساتھ ملا علی قاریؒ اسی فصل میں اسی مضمون کی دوسری درج ذیل حدیث مبارکہ کے بارے میں بھی یہی رائے دیتے ہیں کہ وہ بھی اس جیسی ہی ہے یعنی ضعیف ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ [۲۷]

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔

امام طحاویؒ درج بالا حدیث مبارکہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ کو زہریؒ نے منکر کہا اور ابن جریج

۲۶۔ أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل الدارمي، سنن الدارمي، تحقیق: حسين سليم أسد الداراني (المملكة العربية السعودية: دار المغني للنشر والتوزيع، ۲۰۰۰)، ۳/۱۳۹۸.

۲۷۔ الترمذي، سنن الترمذي، ۲/۳۹۸.

نے ذکر کیا کہ انہوں نے اس کے بارے میں ابن شہاب سے ذکر کیا تو انہوں نے اس کی معرفت سے انکار کیا۔ تعارض دور کرنے کے لیے دوسرا طریقہ جمع کا اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی حدیث مبارکہ کے عموم کو خصوص پر محمول کیا جائے اور یہ حدیث مبارکہ حدیث ابی موسیٰ کو خاص کرتی ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں نکاح عام غیر مقید ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو خاص کرتی ہے۔[۲۸]

7۔ قبول اسلام کی ابتدائی شخصیات:

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: «مَا أَسْلَمَ أَحَدٌ فِي الْيَوْمِ الَّذِي أَسْلَمْتُ فِيهِ، وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَ لَيَالٍ ثَالِثَ الْإِسْلَامِ» [۲۹]

سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ کوئی اسلام نہیں لایا مگر اسی دن جس دن میں اسلام لایا اور میں سات دن تک اسلام میں تیسرا شخص رہا۔

باب مناقب العشرۃ کی فصل ثالث کی درج بالا حدیث مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ امام سیوطیؒ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ باقی دو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان اس سے متاخر تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد بالغ افراد ہو۔ ابو عبد اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ثلث الاسلام کا معنی ہے کہ وہ تین افراد میں سے تیسرے تھے۔ اس کے بعد درج ذیل دوسری روایت کا بھی ذکر کرتے ہیں:

قَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا مَعَهُ إِلَّا خَمْسَةُ أَعْبُدٍ وَامْرَأَتَانِ، وَأَبُو بَكْرٍ» [۳۰]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے ہمراہ پانچ غلاموں اور دو عورتوں اور ابو بکر کے سوا کوئی نہ تھا۔

ان دونوں روایات کو جمع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض محققین نے کہا کہ اس روایت اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت میں جمع اس طرح ہوتی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قول کو آزاد بالغ افراد پر محمول کیا جائے جس میں غلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل نہ ہو یا آپ کو ان کے ایمان کی اطلاع نہ ہو۔[۳۱]

۲۸۔ ملا علي قاري، مرقاۃ المفاتيح شرح مشكاۃ المصابيح، ۱۱/۱۵۲۔

۲۹۔ أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوري، المستدرك على الصحيحين، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۰)، ۳/۵۷۰۔

۳۰۔ البخاري، صحيح البخاري، ۵/۴۶۔

۳۱۔ ملا علي قاري، مرقاۃ المفاتيح شرح مشكاۃ المصابيح، ۱۱/۳۶۶۔

۸۔ حضرت ابو بکر یا حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا باقی دروازوں کا بند کرنا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَرَ بِسَدِّ الأَبْوَابِ إِلاَّ بَابَ عَلِيٍّ[۳۲]

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کے دروازے کے علاوہ باقی دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔

باب مناقب علي بن ابی طالب رضي الله عنه کی فصل ثالث کی درج بالا حدیث مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ درج بالا حدیث مبارکہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مناقب میں مذکور حدیث مبارکہ لَا يَبْقَيَنَّ فِي المَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةُ أَبِي بَكْرٍ[۳۳] میں اشکال نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس میں وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو مرض الموت میں بند کرنے کا حکم دیا اور اس میں ایسا نہیں۔ یہ اس پر محمول ہے کہ یہ حکم مرض سے متقدم تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ والی حدیث اس میں سب سے صحیح اور مشہور ہے۔ کیونکہ وہ متفق علیہ ہے اور یہ حدیث متن اور سند کے اعتبار سے غریب ہے۔ اس کے بعد ملا علی قاریؒ درج ذیل دیگر روایات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الرُّقَيْمِ الْكِنَانِيِّ، قَالَ: خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ زَمَنَ الْجَمَلِ فَلَقِينَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ بِهَا، فَقَالَ: « أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَدِّ الْأَبْوَابِ الشَّارِعَةِ فِي الْمَسْجِدِ، وَتَرْكِ بَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ»[۳۴]

ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ سغدی نے کہا کہ عبد اللہ بن شریک جھوٹا ہے اور ابن حبان نے کہا کہ غالی شیعہ تھا۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن صحیح نہیں ہے۔ صحیح وہی ہے جو صحیحین میں حضرت ابو سعید سے مروی ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی حدیث مبارکہ صحیح ہے تو دونوں احادیث میں توفیق دیتے ہوئے ان کو دو مختلف مواقع پر محمول کیا جائے گا۔[۳۵]

9۔ نماز چاشت سنت یا غیر سنت:

عَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ: أَتُصَلِّي الضُّحَى قَالَ: لَا. قُلْتُ: صَلَّاهَا عُمَرُ قَالَ: لَا. قُلْتُ: صَلَّاهَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: لَا. قُلْتُ: أَصَلَّاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا إِخَالُهُ[۳۶]

۳۲۔ الترمذي، سنن الترمذي، ۶/۹۰.

۳۳۔ البخاري، صحیح البخاری، ۵/۵۸.

۳۴۔ الشيباني، مسند أحمد، ۳/۹۸.

۳۵۔ ملا علي قاري، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۱۱/۳۵۱.

۳۶۔ الشيباني، مسند أحمد، ۸/۳۷۷.

مورق عجلی سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں میں نے پوچھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے؟ فرمایا نہیں میں نے پوچھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے؟ فرمایا نہیں میں نے پوچھا نبی کریم ﷺ پڑھتے تھے؟ فرمایا نہیں ہے کہ وہ پڑھتے ہوں گے۔

درج بالا روایت میں نماز چاشت کی نفی ہے حالانکہ اس کی فضیلت میں بھی بہت ساری روایات ہیں جن سے ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے نماز چاشت ادا فرمائی لہذا اس کی شرح میں ملا علی قاریؒ شرح السنہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ بعض نے نماز چاشت کو ناپسند کیا۔ ابی بکرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز چاشت ادا کر رہے ہیں تو کہا کہ یہ لوگ وہ نماز پڑھ رہے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھا۔ اس کے بعد ملا علی قاریؒ ان احادیث مبارکہ میں جمع کے حوالے سے امام نوویؒ کا قول نقل کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے نماز چاشت کی نفی اور دوسری حدیث مبارکہ میں اثبات کے درمیان جمع یوں ہوگی کہ نبی مکرم ﷺ اس کی فضیلت کی وجہ سے بعض اوقات اس کو پڑھتے تھے اور اس ڈر سے کہ یہ فرض نہ ہو جائے بعض اوقات اس کو ترک بھی فرما دیتے تھے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بنی پاک ﷺ چاشت کی نماز کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نہ ہوتے ہو اور اس کو مسجد یا کسی اور جگہ ادا فرماتے ہو اور جب اپنی ازواج کے پاس ہو تو حضرت عائشہ کا نواں دن ہوتا تھا تو اس موقع پر آپ ﷺ نے نماز ادا نہ فرمائی تو ان کا قول صحیح ہو گیا کہ میں نے آپ ﷺ کو نماز چاشت پڑھتے نہیں دیکھا یا ہم کہ سکتے ہیں کہ اس کا معنی ہے میں نے آپ ﷺ کو اس نماز کو ہمیشہ پڑھتے نہیں دیکھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ انہوں نے کہا نماز چاشت بدعت ہے تو یہ اس پر محمول ہوگی کہ اس کو مسجد میں یا ظاہر اپڑھنا بدعت ہے کیونکہ اس میں اصل یہ ہے کہ اس کو گھروں میں پڑھا جائے یا ہم کہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک نبی اکرم ﷺ کا عمل اور فعل نہ پہنچا ہو یا یہ کہ سکتے ہیں کہ اس پر مواظبت بدعت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرض ہونے کے ڈر سے اس پر مواظبت نہیں فرمائی۔[۳۷]

۱۰۔ مسافر کے لیے رمضان کا روزہ رکھنا افضل یا افطار کرنا:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَائِمُ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ، كَالْمُسْفِطِرِ فِي الْحَضَرِ»[۳۸]

حضرت عبد الرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفر میں رمضان کا روزہ

۳۷۔ ملا علي قاري، مرقاۃ المفاتیح شرح مشكاة المصابیح، ۳/۲۰۴،۲۰۵.

۳۸۔ أبو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجة القزويني ابن ماجه، سنن ابن ماجه، تحقيق: شعيب الأرنووط (بيروت: دار الرسالة العالمية، ۲۰۰۹)، ۱/۵۳۲.

رکھنے والا ایسے ہی ہے جیسا کہ حضر میں روزہ چھوڑنے والا۔

باب صوم المسافر کی فصل ثالث کی درج بالا دوسری حدیث مبارکہ میں مسافر کے لیے رمضان کا روزہ رکھنے کو ناپسند کیا گیا ہے جبکہ بعض روایات میں روزہ رکھنے کی اجازت بھی ہے۔ لہذا اس کی شرح میں ملا علی قاریؒ ابن الھمامؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ جان لو کہ صحیحین میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ فتح مکہ کے سال رمضان المبارک میں مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کدیر کے مقام پر روزہ توڑ دیا لہذا روزہ نہ رکھنا آخری امر ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے روزہ نہ رکھنے والے تمسک کرتے ہیں کیونکہ آپ کے دونوں حکموں میں سے آخری حکم کو لیا جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بظاہر تو ہمیں تعارض نظر آتا ہے لیکن جمع کی صورت ممکن ہو تو پھر کسی ایک کو چھوڑنے سے بہتر یہ ہوتا ہے کہ ان میں جمع کی صورت پیدا کر کے دونوں پر عمل کیا جائے اور اسی طرح بغیر کسی قطعی دلیل کے کسی حدیث کو منسوخ بھی قرار نہ دیا جائے تو ان احادیث میں جمع کی صورت یہ ہے کہ جن احادیث میں روزہ نہ افطار کرنے والوں کو گناہ اور عدم ثواب کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی انسان مشقت و تکلیف اٹھا کر روزہ رکھے جیسا کہ اس بارے میں پہلے احادیث گزر گئی ہیں۔ جواز کی احادیث ثبوت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہیں اور کتاب اللہ کے موافق ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [۳۹]

اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔

روزہ نہ رکھنے میں تنگی متعین نہیں کی جاسکتی بلکہ روزہ میں آسانی ہوتی ہے جب رکھنے والا طاقت ور ہو اور روزہ رکھنے سے اسے کبھی نقصان کا بھی سامنا نہ ہوتا ہو، تو اس صورت میں لوگوں کی موافقت کے ساتھ مل جل کر روزہ رکھنے میں آسانی ہو تی ہے یا کیونکہ نفس ان دنوں میں روزہ رکھنے کا عادی ہوتا ہے جو کہ باقی دنوں میں نہیں ہوتا لہذا روزہ اس کے لیے آسان ہے۔ اس تعلیل سے جان لیا گیا کہ فعدة من ايام اخر کا یہ معنی نہیں کہ وہ متعین ہے بلکہ اس کا معنی ہے کہ تم چھوڑ دو تو اس کو پورا کر دو یا معنی ہے کہ ان دنوں میں پورا کرو جن میں تاخیر جائز ہے نہ کہ اس طرح جیسا کہ اہل ظاہر نے گمان کیا۔[۴۰]

خلاصہ و نتائج بحث

ملا علی قاریؒ نے نہایت عالمانہ اور محققانہ انداز میں احادیث مبارکہ کے اختلاف پر بحث کی اور اس کو رفع کیا ہے۔ ان

۳۹۔ القرآن، سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۸۵

۴۰ ملا علي قاري، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۴/ ۲۸۰.

احادیث مبارکہ میں تطبیق کے حوالے سے کلام کرتے ہوئے کہیں آپ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو کہیں دیگر آئمہ و محدثین نے اس حوالے سے جو ابحاث کی ہیں ان کے اقوال و آراء ذکر کرتے ہیں جن میں امام شرف الدین نووی، امام جلال الدین سیوطی، امام شرف الدین طیبی اور ابن الہمام وغیرہ نمایاں ہیں۔ بعض مقامات پر آپ آئمہ حدیث کے نام کو ذکر کیے بغیر قال بعض المحققین "بعض محققین نے کہا" کہ کر بھی آراء ذکر کر جاتے ہیں۔ کچھ مقامات پر دونوں احادیث مبارکہ کے راویوں، متن اور سند کے حوالے سے بھی بحث کرتے ہیں اور صحیح سند و متن والی حدیث مبارکہ کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ کہیں کہیں وضاحت میں لفظی ابحاث بھی کرتے ہیں۔ الغرض آپ تطبیق کے اصولوں ترجیح، جمع اور ناسخ و منسوخ کا اعتبار کرتے ہوئے عمدگی سے مختلف احادیث میں تطبیق پیدا کرتے ہیں جس سے اختلاف دور ہو جاتا ہے اور دونوں احادیث کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

مصادر و مراجع

قرآن مجید

أبو شُهبة، محمد بن محمد بن سويلم. الوسيط في علوم و مصطلح الحديث. لبنان: دار الفكر العربي، س ن.

ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجة القزويني. سنن ابن ماجه. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: دار الرسالة العالمية، ۲۰۰۹.

البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل. صحيح البخاري. بيروت: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲.

الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى. سنن الترمذي. تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: دار الغرب الإسلامي، ۱۹۹۶.

الحاكم النيسابوري، أبو عبد الله محمد بن عبد الله. المستدرك على الصحيحين. مصطفى عبد القادر عطا. بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۰.

الدارمي، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل. سنن الدارمي. تحقيق: حسين سليم أسد الداراني. المملكة العربية السعودية: دار المغني للنشر والتوزيع، ۲۰۰۰.

السجستاني، أبو داود سليمان بن الأشعث. سنن أبي داود. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: دار الرسالة العالمية، ۲۰۰۹.

السخاوي، شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمٰن. فتح المغيث بشرح الفية الحديث للعراقي. اوّل. مصر: مكتبة السنة، ۲۰۰۳.

السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر. تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي. الرياض: دار طيبة، ۱۴۲۷.

الشيباني، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل. مسند أحمد. بيروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱.

الصالح، صبحي إبراهيم. علوم الحديث و مصطلحه - عرضٌ ودراسة. بيروت: دار العلم للملايين، ۱۹۸۴.

العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر. نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر. الرياض: مطبعة سفير بالرياض، ۱۴۲۲.

النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب. السنن الكبرى - النسائي. تحقيق: شعيب الأرناؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۱.

النيسابوري، أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري. صحيح مسلم. بيروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۹۵۵.

ملا علي قاري، ابو الحسن نور الدين علي بن سلطان. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح. بيروت: دار الفكر، ۲۰۰۲.